بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہم انصاری نے یہ ناول(اگراور جیتے رہتے از ماہم انصاری) صرف اور صرف نیو ایرا میگزین(New Era Magazine) کیلئے لکھا ہے۔اس ناول (اگراور جیتے رہتے از ماہم انصاری) کے تمام جملہ و حقوق بمعہ مصنفہ کے نام صرف اور صرف نیو ایرا میگزین(New Era Magazine) کے نام محفوظ کیے جاتے ہیں۔ لہذا کسی بھی ادارے، ڈائجسٹ، سوشل میڈیا، ویب سائٹ یا کوئی بھی فرد بمعہ مصنف کو اس کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں شائع کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی جائے گی۔

شکریہ

ادارہ: نیو ایرا میگزین

"مجھے تمہاری خوشی کی کچھ سمجھ نہیں آرہی عائزہ! وہ لوگ کسی وجہ سے نہیں آسکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کبھی آئیں گے ہی نہیں؟ جلد یا بدیر تمہاری شادی ہو ہی جانی ہے" ربیعہ نے پلیٹ سے نگٹس اٹھا کر منہ میں رکھے۔اس کے سوال پر عائزہ کے چہرے پر کھیلتی مسکراہٹ ایکدم سے غائب ہوئی۔

"ہاں میں جانتی ہوں یہ خوشی وقتی ہے مگر میں فالحال کچھ نہیں سوچنا چاہتی۔یہ جو کچھ دن میسر ہیں میں بھرپور انداز میں انہیں فائز کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔اس کی یادوں کے ساتھ! میں خوش ہوں کہ چند دن ہی صحیح میں اسے سوچ تو سکتی ہوں۔اس کی پروفائل چیک کر سکتی ہوں۔آزادی سے اسے یاد کر سکتی ہوں۔میں جانتی ہوں ربیعہ کہ اظفر سے جڑنے کے بعد مجھ سے فائز کو سوچنے کا حق بھی چھن جائے گا۔میں چاہتی ہوں میں ان تمام دنوں میں اپنے اندر کی ہر خواہش پوری کر لوں۔اسے جتنا سوچنا چاہتی ہوں سوچ لوں" اس نے کولڈ ڈرنک کا گلاس میز پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔ربیعہ کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگا تھا۔

"تمہیں فائز کا دل دکھانے کا افسوس نہیں ہے؟" ربیعہ کے سوال پر اس کے دل میں ٹیس سی اٹھی تھی۔اسی بات کا تو اسے سب سے زیادہ دکھ تھا۔جس شخص کے زرا سے دکھ پہ، چھوٹی سی تکلیف پہ اس سے پہلے عائزہ کی آنکھیں بھر آتی تھیں آج وہ کیسے اسے خود اپنے دیے زخموں سے تڑپتا جان کر اداس نہ ہوتی۔

"وہ سنبھل جائے گا۔تم جانتی ہو جب اگلا بے وفا نکلے تو بھولنے میں اتنی مشکل نہیں ہوتی۔ہم اگلے کو غلط س

مجھ کر بہت جلد اس سے نفرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پھر محبت کہیں نہیں رہتی۔ صرف نفرت باقی رہتی ہے۔اور بعض دفعہ یہ نفرت اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ انسان انتقام کی آگ میں جلنے لگتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس سے کبھی اس نے بے پناہ محبت کی تھی۔ یہ وہی شخص ہے جس کے لیے کبھی وہ راتوں کو جاگا تھا۔ جس کے ہونے سے اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھتا تھا۔ میں چاہتی ہوں ربیعہ! فائز بھی مجھ سے اتنی نفرت کرے کہ اس کے دل میں مجھ سے انتقام لینے کا جزبہ شدت پکڑ جائے۔اس کے ہاتھوں موت بھی پیاری ہے مجھے۔اور اس کے بعد وہ مجھے ایسے بھول جائے جیسے میں کبھی کہیں تھی ہی نہیں" اس کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔ ربیعہ نے افسوس سے اس کا چہرہ دیکھا جس کی گلابیاں زردیوں میں گھل چکی تھیں۔

"اور تم؟ تم اسے بھول جاؤ گی؟" ربیعہ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما۔اس نے چہرہ دوسری طرف موڑ لیا۔ چندپل خاموشی کی نظر ہو گئے۔

"چلو کافی دیر ہو گئی ہے۔ابھی مجھے کچھ کتابیں بھی خریدنی ہیں" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ربیعہ بھی اس کے ساتھ ہی کھڑی ہو گئی۔ ریستوران سے باہر آتے ہی بارش شروع ہو گئی تھی۔ مجبوراً انہیں قریب موجود شیڈ کے نیچے کھڑا ہونا پڑا۔

"بارش میں مانگی گئی دعا قبول ہوتی ہے" اس کے قریب ہی کہیں سرگوشی ابھری تھی۔ عائزہ نے آواز کی سمت نظریں گھمائیں تو اسے اپنے قریب کھڑا پایا۔ گہری سیاہ آنکھوں پر کالے فریم والا نظر کا چشمہ چڑھائے بالوں کو جیل سے اوپر اٹھائے وہ ہمیشہ کی طرح اس کے دل میں اترتا

New Era Magazine

چلا گیا۔ کتنی ہی دیر وہ بغیر پلکیں جھپکائے اس کے ہونٹوں پر سجی مسکراہٹ دیکھے گئی۔ اسی پل کچھ کہتے ہوئے ربیعہ نے اس کا کاندھا ہلایا۔

"کیا ہوا؟ ایسے آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو؟" ربیعہ کے استفسار پر اس نے چونک کر فائز کو دیکھا مگر وہاں تو کوئی نہ تھا۔ چند لمحوں پہلے کا حسین خواب سحر ٹوٹنے سے ہوا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

"نہیں کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی" اس نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدلا مبادا دوبارہ اس سحر میں نہ گرفتار ہو جائے۔

"تو یہ میرا وہم تھا جو مجسم میرے سامنے آ کھڑا ہوا تھا" اس نے تیزی سے برستی بارش کو دیکھا۔ سوچیں ایک بار پھر بھٹک کر اس کی سمت جا پہنچیں۔

"میں نے تو ہزاروں دفعہ تمہیں مانگا ہے فائز میر! مگر شاید میری وہ دعائیں آسمان تک پہنچ ہی نہ سکیں" جب آنکھوں کی جلن زیادہ بڑھ گئی تو وہ ربیعہ کا ہاتھ تھام کر بارش میں ہی چلنے لگی۔

"کیا کر رہی ہو؟ پاگل ہوئی ہو؟" ربیعہ اسے روکتی رہ گئی مگر اس کی سماعتوں نے تو جیسے کام کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ تو بس یادوں میں کھوئی چلتی جا رہی تھی۔

"کتنی محبت کرتے ہیں مجھ سے؟" نمکین پانی آنکھوں کے کنارے سے بہہ کر بارش کے قطروں کے ساتھ مل گیا۔

"اوپر دیکھو" دھیمی سرگوشی.....اس نے سر اٹھا کر آسمان کو دیکھنا چاہا۔ بارش کے قطروں نے تیزی سے اس کا چہرہ بھگو ڈالا۔

"کوئی ایریا ہے؟" آنکھوں سے آنسو قطار کی صورت میں بہے جا رہے تھے۔

"نہیں" اس نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔

"اتنا" بارش نے اس کا بھرم رکھ لیا تھا۔ آنسو بارش کے قطروں کے ساتھ مل گئے تھے۔ نہ جانے کیسے بارش نے ان آنسوؤں میں موجود دکھ اور کرب کو چھپا لیا تھا۔

"کیا تھا اگر میرے خواب پورے ہو جاتے؟ محبت کی کہانیوں کا ادھورا ہونا کیوں ضروری ہوتا ہے؟ کیا ضروری ہے کہ ہم جو چاہیں وہ پورا نہ ہو؟ خواہشیں تشنہ کیوں رہ جاتی ہیں؟" اپنی نیلی کمیز کی آستین سے چہرہ پوچھتے ہوئے اس نے سوچا۔ بارش کا زور کچھ کم ہوا تھا۔ ربیعہ اب بالکل خاموش تھی اور ایسا تب ہی ہوتا تھا جب وہ شدید خفا ہوتی تھی مگر اس وقت اسے خود اپنا ہوش نہ تھا، اس کی خفگی کیا نوٹ کرتی۔ جب وہ خاصی دور نکل آئیں تو ربیعہ کو اسے ٹوکنا پڑا۔

"کیا ہم جنت جا رہے ہیں؟" ربیعہ نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ حال کی دنیا میں واپس چلی آئی۔ کچھ دیر تو اسے نا سمجھی سے دیکھتی رہی پھر ہوش میں آتے ہوئے اطراف کا جائزہ لیا۔

"تم کہو تو چلتے ہیں" اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے ربیعہ کو دیکھا جس کی آنکھیں بھی خفا خفا سی لگ رہی تھیں۔ جانے آج وہ کیسے اتنی بے قابو ہو گئی تھی۔ وہ تو کسی پر بھی اپنے اندر کا موسم عیاں نہیں ہونے دیا کرتی تھی۔ اپنی مسکراہٹ میں اپنے آنسو چھپانا آتا تھا اسے مگر اس دکھ نے اسے اندر تک توڑ ڈالا تھا۔ ایک وقت آتا ہے جب انسان اپنے دکھوں سے لڑتے لڑتے ہار جاتا

ہے۔اس کی ذات کا کھوکھلا پن باہر والوں کو بھی نظر آنے لگتا ہے۔کچھ غم انسان کے اندر کی ساری توانائی نچوڑ لیتے ہیں اور اسے بھر بھری ریت کی مانند ڈھا دیتے ہیں۔

"ہاں ضرور! مگر پہلے اپنا پرائویٹ پلین بلا لو" ربیعہ کے جلے کٹے انداز پر وہ بے اختیار ہنس پڑی۔اسی لمحے اس کی نگاہیں سامنے کی سمت اٹھی تھیں اور پھر پلٹنا بھول گئیں۔کوئی ایک مہینے بعد دیکھا تھا اسے۔بالکل ویسا ہی وجیح، پر وقار اور سنجیدہ.... مگر نہیں! کچھ تو الگ تھا اس میں....اس کی آنکھوں کی نفرت یا پھر ماتھے پر پڑی سلوٹیں! دونوں کی نظروں نے ایک دوسرے کو بیک وقت دیکھا تھا۔ایک کی نظروں میں بے انتہا نفرت تھی جسے اگلے نے بھی محسوس کر لیا تھا۔ایک کی نظروں میں بے انتہا محبت تھی جسے نفرت سے ڈھکی آنکھیں دیکھ نہ سکی تھیں۔اور نفرت انسان کو اندھا بنا دیتی ہے۔اسے بالکل سامنے کی بات بھی نظر نہیں آتی۔ نفرت کی آگ محبت کے خوشنما پھول کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔عائزہ سے وہاں کھڑے ہونا دشوار ہو گیا تھا۔ربیعہ بھی اس کی طرح ساکت کھڑی تھی۔

"کتابیں بعد میں لے لیں گے۔ابھی گھر چلتے ہیں" اس نے تیزی سے قدم واپس موڑ لیے۔ ربیعہ نے خاموشی سے اس کی تقلید کی تھی۔

گھر آ کر کتنی ہی دیر وہ تنہا صحن میں بیٹھی رہی۔اس کی آنکھوں کی نفرت، چہرے کی بے گانگی اس کے محبتوں سے گندھے دل کو زخم زخم کیے دے رہی تھی۔ایک پل کو اس کا دل چاہا وہ جا کر فائز کو سب بتا دے مگر اگلے ہی لمحے بے اعتباری کے خیال نے اسے خاموش رہنے پر مجبور کر دیا۔

"اپنی وقعت کبھی مت کھونا عائزہ! یاد رکھو جو تمہارا ہے، تمہیں ہی ملے گا اور جو تمہارا نہیں وہ تمہاری لاکھ کوششوں کے باوجود تمہارا نہیں ہو سکتا۔اور یہ بتانے سے درد بڑھنے کے سوا کچھ نہیں ہو گا۔اس نے وہ سب خود تم سے سنا تھا۔اب وہ تمہاری بات پر کیوں یقین کرے گا؟ تم دھتکار دی جاؤ گی "ہمیشہ کی طرح اس کے اندر سے آواز آئی تھی۔وہ پلکوں کے کناروں پر ٹکے آنسو صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

****

اس نے سارا انباکس دیکھ ڈالا تھا۔اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔یہاں تک کہ شادی سے ایک رات پہلے ربیعہ سے ہونے والی اس کی آخری چیٹ میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں تھا۔اسے خیال آیا کہیں اس نے ڈلیٹ نہ کر دیا ہو مگر ان میسجز کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کچھ بھی ڈلیٹ نہیں کیا گیا ہے۔

"تو کیا ربیعہ جھوٹ بول رہی تھی؟ مگر کیوں؟"اس کا بری طرح الجھا جا رہا تھا۔

"شاید دونوں نے مل کر کوئی پلاننگ کی ہو گی مگر اس پلاننگ میں کامیاب نہ ہو سکیں"اس نے روالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے سوچا۔کمرے میں پھیلی تاریکی کو اسٹڈی ٹیبل پہ موجود لیمپ کی روشنی نے کچھ کم کیا تھا۔

"عائزہ نے مجھ سے تو کبھی فیس بک پہ بات نہیں کی۔نہ ہی مجھے کبھی اپنی آئی۔ڈی۔کا بتایا۔ایسا کیوں؟"جانے کیوں اب اسے نیا خیال ستانے لگا تھا۔

"ہوسکتا ہے اس نے یہ آئی ڈی بعد میں بنائی ہو" اس نے سوچتے ہوئے پروفائل اوپن کی۔ آئی ڈی تین سال پہلے بنائی گئی تھی۔ اس نے فون دوبارہ میز پر رکھ دیا اور کرسی ادھر ادھر گھمانے لگا۔

"تو قصوروار میں نہیں ہوں" اس نے جیسے اپنے ضمیر کو فاتحانہ نظروں سے دیکھا۔ کچھ دیر یونہی بیٹھے رہنے کے بعد اس نے میز پر دھرا اپنا فون اٹھالیا اور میسنجر چیک کرنے لگا۔ ربیعہ کا میسج آرچیو فولڈر میں ڈالتے ہوئے جیسے اس کے دماغ میں کچھ کلک سا ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنا فون رکھ کر عائزہ کا موبائل اٹھایا۔

"آرچیوڈ میسجز" اس نے تیزی سے فولڈر کھولا تھا۔

****

اظفر کی شادی کی خبر اماں پر بجلی بن کر گری تھی۔ خود عائزہ بھی حد درجہ حیران تھی مگر اسے اماں کی طرح نہ کوئی دکھ ہوا تھا نہ صدمہ پہنچا تھا بلکہ اس کے اندر تو ڈھیروں سکون اترتا چلا گیا تھا۔ وہ حیران تھی تو صرف اس لیے کہ ان سے رشتہ جوڑ کر بغیر کچھ بتائے انہوں نے کس طرح کہیں اور شادی کر دی؟ "یعنی منگنی کسی اور سے شادی کسی اور سے؟" اسے بے اختیار ہی ہنسی آگئی جو اس نے بڑی مشکل سے روکی تھی۔

اب بھی یہ خبر گاؤں کی ایک دور پار کی رشتہ دار سے ملی تھی جو ان دنوں اپنی بیٹی سے ملنے شہر آئی ہوئی تھیں اور ان سے ملاقات کی غرض سے ان کے گھر چلی آئیں۔ باتوں باتوں میں انہوں نے پچھلے دنوں نہایت خاموشی سے ہونے والی اظفر کی شادی کا بتا کر گویا اماں پر احد پہاڑ توڑ ڈالا

تھا۔انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اظفر نے یہ شادی خود اپنی پسند سے کی تھی۔ان کے جانے کے بعد سے اماں سر لپیٹ کر چارپائی پر گر گئی تھیں۔انہوں نے عائزہ سے کچھ نہ کہا تھا مگر وہ جانتی تھی۔انہیں دکھ نہ صرف رشتہ ختم ہونے کا تھا بلکہ ان کا اعتبار بھی کرچی کرچی ہوا تھا۔عائزہ کو ان کی فکر تھی کہ اس صدمے سے ان کی طبیعت نہ خراب ہو جائے تب ہی وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"اماں اب اٹھ بھی جائیں۔ صبح سے آپ نے کچھ نہیں کھایا۔ چلیں کھانا تیار ہے"ان کی چارپائی کے قریب دوزانو ہو کر اس نے آہستگی سے ان کا کاندھا ہلایا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے"ان کی نم سی آواز پر وہ تڑپ ہی تو گئی۔

"مگر مجھے بھوک ہے اماں!اور آپ جانتی ہیں میں آپ کے بغیر کھانا نہیں کھاتی۔اب اٹھ بھی جائیں۔کب تک سوگ مناتی رہیں گی؟"ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے ان کے چہرے پر پڑا دوپٹہ ہٹایا مگر انہوں نے دوبارہ چہرہ ڈھانپ لیا۔

"اماں!چھوڑ بھی دیں اب"اس نے دوبارہ دوپٹہ کھینچا۔اب کے انہوں نے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔بس خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔پچھلے دنوں اس کے چہرے پر جو زردیاں گھل گئی تھیں آج ایک بار پھر وہ چہرہ سرسبز و شاداب نظر آرہا تھا۔

"تجھے دکھ نہیں ہوا عائزہ؟"انہوں نے اس کا ہاتھ تھاما۔اس نے نرمی سے ان کے ہاتھ کے اوپر اپنا دوسرا ہاتھ بھی رکھ دیا۔

"جو ہمارا نہیں اس کے لیے کیا دکھی ہونا؟" وہ کہہ کر تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی مبادا وہ اس کی آنکھوں سے اس کے دل کا راز نہ جان لیں۔

"جلدی آجائیں۔ میں کھانا لگا رہی ہوں" اس نے کچن کی سمت جاتے ہوئے تاکید کی۔ وہ نرمی سے اپنی نم پلکیں صاف کرنے لگیں۔ سچ ہی تو ہے۔ جو ہمارا ہے ہی نہیں اس کے لیے کیا دکھی ہونا۔ قدرت کے فیصلوں پر توکل کرتے ہوئے ہمیں امید نہیں چھوڑنی چاہیے۔ ہم نہیں جانتے ہمارے لیے کیا اچھا ہے۔ ہم تو وہی دیکھتے ہیں جو نظر آتا ہے مگر وہ مالک دو جہاں جو ہے نہ! اسے وہ بھی پتا ہے جو ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ بعض دفعہ ہم قدرت کے جس فیصلے پر رو رہے ہوتے ہیں وہی فیصلہ ہماری زندگی کو نہ جانے کتنی تکلیفوں سے بچا لیتا ہے۔ مگر ہم سمجھتے ہی نہیں!

****

اس نے یونورسٹی دوبارہ جوائن کر لی تھی مگر اس کا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ فائز کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ وہ امتحانات کے بعد لندن چلا گیا تھا۔ اسے دکھ ہوا۔

اس سے دور ہی سہی مگر ایک شہر میں تو تھا۔

ربط ٹوٹا تھا مگر شہر نہ چھوٹا ہوتا

ہم تجھے دیکھ تو لیتے کہیں آتے جاتے!

اس نے ربیعہ کے ساتھ ایک پرائویٹ اسکول میں پارٹ ٹائم جاب کر لی۔ دکھوں کے ساتھ زندگی جینے کا سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ خود کو مصروف کر لیا جائے۔ اس نے بھی یہی

کیا تھا۔اب اس کے پاس نہ فائز کو یاد کرنے کا وقت ہوتا تھا نہ گزرے دنوں کو سوچنے کا۔ مگر کچھ لوگوں کو یاد کرنے کے لیے فرصت کے لمحوں کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔ وہ بہت مصروف لمحوں میں بھی یاد آ ہی جاتے ہیں۔اس کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا۔ فائز کو بھلا دینے کی بھرپور کوششوں کے باوجود.... دن بھر کی شدید مصروفیت کے باوجود..... کبھی نوٹس بناتے ہوئے، کبھی کلاس میں پڑھاتے ہوئے، گھر کے کام بپٹاتے ہوئے یا یونورسٹی میں تیزی سے لیکچر نوٹ کرتے ہوئے وہ اسے یاد آ ہی جاتا تھا۔ کوئی ایسی بات ہو ہی جاتی کہ اسے گزرے دن یاد آ جاتے۔

ربیعہ سے اس نے فائز کا ذکر کرنا چھوڑ دیا تھا اور ربیعہ کو لگا تھا وہ اسے بھول گئی ہے حالانکہ ایک بار جس سے محنت ہو جائے اسے بھلانا اتنا آسان تو نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ ساری عمر لگ جاتی ہے پھر بھی لوگ دل سے نہیں نکلتے۔ پھر بھی اس کی کوششیں مسلسل جاری تھیں۔ اظفر کی شادی کا سن کر ربیعہ نے بہت کہا تھا کہ وہ فائز کو سب بتا دے۔ اب کوئی وجہ نہیں کہ وہ الگ رہیں مگر وہ اس سے نہیں کہہ سکی کہ بیچ میں موجود فاصلے اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ وہ پلٹنا چاہے تو بھی نہیں پلٹے گا۔ وہ ایک جیتا جاگتا انسان تھا کوئی بے جان چیز نہیں۔ یہ کیا کہ جب چاہا اپنا لیا جب چاہا چھوڑ دیا؟ حالانکہ وہ خود اسے سب کہہ دینا چاہتی تھی۔ مگر وہ چاہتی تھی فائز خود اسے پکارے۔ ایک بار پلٹ آئے۔ایک دفعہ۔ پھر وہ اسے سب بتا دے گی۔ مگر جانے والے کب پلٹ کر آئے ہیں؟ لوگ تو آگے جا کر انسانوں کی بھیڑ میں یوں گم ہو جاتے ہیں کہ پھر دوبارہ مل بھی جائیں تو نہیں پہچانتے۔

اس طرح جانے کتنا عرصہ گزر گیا جب اس کے لیے ایک پرپوزل آیا تھا۔اماں نے اس سے پوچھا تو اس نے اماں کی خوشی کے لیے ایک بار پھر خود کو قربان کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حالانکہ دل مسلسل انکاری تھا مگر اماں اس قدر خوش تھیں کہ وہ انہیں منع نہ کر سکی۔ ویسے بھی ان دنوں وہ اس کی شادی کے لیے جانے کہاں کہاں کے چکر لگاتی رہی تھیں۔ میرج بیورو تک نہیں چھوڑے تھے انہوں نے۔

اس کی رضامندی جان کر وہ خوشی خوشی شادی کی تیاریوں میں مگن ہو گئیں۔اس کی سائڈ ٹیبل کی دراز میں نہ جانے کب سے اس شخص کی تصویر رکھی تھی جس سے وہ منصوب ہونے والی تھی مگر اس نے ایک دفعہ بھی اسے دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ان دنوں اسے فائز بے انتہا یاد آتا تھا۔اس کی باتیں۔اس کی خوبصورت مسکراہٹ۔وہ سارے خواب جو انہوں نے مل کر سجائے تھے۔اور آج کل وہ اس کے خیالوں کو جھٹک بھی نہیں پاتی تھی۔ وہ آخری بار بھرپور انداز میں اسے یاد کرنا چاہتی تھی۔

گھر میں شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ان کا کوئی قریبی تو تھا نہیں۔جو دور پار کے رشتہ دار تھے انہیں بھی اتنا وقت نہ تھا کہ وہ پہلے سے آجاتے۔ محلے کی عورتیں ہی تھیں جو دن بھر خوب رونق لگائے رکھتیں مگر وہ کمرے سے نہ نکلتی۔اماں کے اصرار پر وہ پڑھائی کا بہانہ بنا دیتی اور کمرہ بند کیے یادوں کے حسین باغات کی سیر کو نکل جاتی جہاں اس کا من پسند ساتھی اس کا ہمسفر ہوتا۔جب اس سے بات کرنے کا دل چاہتا تو فیس بک کھول کر بیٹھ جاتی۔اس کی پروفائل دیکھتی۔ پھر اپنی ہی دوسری آئی ڈی پر میسجز کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا کرتی کہ اپنے علاوہ یہ

باتیں وہ کسی اور سے نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ربیعہ ان دنوں سے اس ناراض تھی مگر خلاف عادت اسے پرواہ نہ تھی۔ پرواہ تھی تو بس اتنی کہ کچھ دنوں میں اس سے فائز میر کو چاہے جانے کا حق بھی چھن جانے والا ہے۔

****

اسے میں کیوں بتاؤں؟

میں نے اس کو کتنا چاہا ہے

بتایا جھوٹ جاتا ہے

کہ سچی بات کی خوشبو

تو خود محسوس ہوتی ہے

میری باتیں، میری سوچیں

اسے خود جان جانے دو

ابھی کچھ دن اسے میری

محبت آزمانے دو

اگر وہ عشق کے احساس کو پہچان نہ پائے

مجھے بھی جان نہ پائے

تو پھر ایسا کر واے دل!

کہ خود گمنام ہو جاؤ

New Era Magazine

مگر اس بے خبر کو

زندگی بھر مسکرانے دو!!

"ہمیشہ کی طرح آج پھر تم بہت یاد آرہے ہو۔بہت ہی زیادہ۔دل چاہ رہا ہے تم سے بات کروں اور سب کچھ بتادوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ کیا تم میرا یقین کر لوگے؟کیا تم میری بات کو سچ مان لوگے؟مجھے ڈر لگتا ہے فائز!میں تمہاری آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کی بھڑکتی آگ کی چنگاریاں دیکھ کر اندر تک جل جاؤں گی۔تمہیں بے خبر رکھ کر تم سے دور رہ سکتی ہوں مگر تمہیں سب بتانے کے بعد بھی اگر خالی دامن رہ گئی؟مجھے ڈر ہے کہ تب میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔شاید تمہارا بے خبر رہنا ہی بہتر ہے۔ویسے بھی اب تمہیں سب بتا بھی دوں تو کوئی فائدہ نہیں۔اماں میری شادی کی تیاریاں کر رہی ہیں اور میرا دل اس سب کے لیے قطعی راضی نہیں ہے۔میں تمہیں بھلا نہیں سکتی۔پچھلے سات سالوں سے میں یہی کوشش تو کر رہی ہوں مگر تمہیں بھلا دینے کا مطلب ہے خود کو بھول جانا۔میں خود کو تو بھول سکتی ہوں تمہیں نہیں بھلا سکتی۔سچ کہوں تو میں تمہیں بھولنا ہی نہیں چاہتی۔تم میری روح میں بستے ہو فائز!میں دوغلی زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔مگر اب میں اماں کو انکار بھی نہیں کر سکتی۔دن بدن ان کی صحت گرتی جا رہی ہے۔ان کی خوشی کی خاطر مجھے یہ زہر پینا ہی ہے۔جب سے میں نے اس پروپوزل کے لیے رضامندی ظاہر کی ہے ان کی طبیعت قدرے سنبھل گئی ہے۔وہ بہت خوش رہنے لگی ہیں پر میں کیا کروں کہ میرا دل پہلے سے بھی زیادہ بجھتا جا رہا ہے"

دھندلی پڑتی بصارت کے ساتھ اس نے سی اولڈ میسجز پر ٹیپ کیا۔

"پتا ہے فائز! آج ایک اپریل ہے۔ میری زندگی کا سب سے خاص دن۔ مگر وقت کتنا بدل جاتا ہے نہ؟ آج میں تمہیں مبارکباد بھی نہیں دے سکتی۔ میسج ٹائپ کرتی ہوں پھر ڈلیٹ کر دیتی ہوں۔ کاش میں تمہیں احساس دلا سکتی فائز! کہ آج بھی یہ دن میرے لیے اتنی ہی اہمیت رکھتا ہے جتنی کہ 6 سال پہلے رکھتا تھا۔ بائی داوے..... سالگرہ مبارک!

اکثر سنا ہے کہ وقت بڑا مرہم ہے۔ ہر زخم وقت کے ساتھ بھر جاتا ہے مگر یہ وقت میرے زخموں کو بھرنے میں کیوں ناکام ثابت ہوا جا رہا ہے؟ میرے زخم ناثور بن چکے ہیں۔ یہ تو وقت کے ساتھ اور بھی زیادہ تکلیف دینے لگے ہیں"

ضبط کی شدت سے سرخ ہوتی آنکھوں کو اس نے انگلی کی پوروں سے رگڑا۔

"تم مجھے غلط سمجھتے ہو۔ شاید نفرت کرتے ہو مجھ سے۔ ربیعہ ٹھیک کہتی ہے۔ میں غلطی کی۔ تمہیں سب سچ نہیں بتایا مگر یہ بھی سچ ہے فائز کہ میں نے تم سے سچی اور کھری محبت کی ہے جو وقت کے ساتھ بدل نہیں سکتی۔ کم نہیں ہو سکتی۔ چاہے تم ساتھ ہو یا نہ ہو۔ محبت خود غرض نہیں ہوتی۔ میری قسمت کہ میں نے تمہیں اپنے ہاتھوں کھو دیا مگر میں کیا کرتی؟ اماں کا یقین تمہاری محبت سے جیت گیا۔ وہ کس قدر یقین سے کہہ رہی تھیں کہ میں ان کی بات نہیں ٹال سکتی۔ ہو ہی نہیں سکتا میں ان کی بات نہ مانوں تو میں کیسے ان کی بات نہ مانتی؟ کس طرح انہیں تکلیف دیتی؟ میں یہ نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا کر کے میں کبھی خوش نہ رہ پاتی۔ کبھی بھی نہیں۔

اور تمہیں بس اتنا اعتبار تھا مجھ پہ؟ایک بار ہماری بات سنی اور مان لیا کہ میں بے وفا ہوں؟ایک دفعہ پوچھتے تو مجھ سے۔کچھ تو کہتے۔میں اتنی مضبوط نہیں تھی کہ تم پوچھتے پھر بھی میں کچھ نہ بتاتی۔کاش! میں نے پہلے ہی تمہیں سب بتادیا ہوتا۔مجھے لگا اس طرح تم مجھے بھول جاؤ گے۔اس طرح تمہیں تکلیف نہیں ہو گی اور دیکھو! تم مجھے بھول گئے۔یہ الگ بات کہ میں تمہیں نہیں بھلا سکی۔اب تو موت ہی ہے جو تمہاری یادوں کو مجھ سے جدا کر سکتی ہے۔چار سال انتظار کیا تمہارا کہ شاید تم پکار لو مگر......بس میں ہوتا تو ساری زندگی انتظار میں گزار دیتی مگر مجھ جیسے لوگ اپنی زندگی بھی اپنی مرضی سے جی نہیں پاتے۔کاش میں یہ سب تم سے کہہ پاتی۔کاش سب پہلے جیسا ہو سکتا"

اس نے پلکوں پر ٹکے آنسوؤں کو رگڑا۔

"تو غلط میں تھا"اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے۔

"تو اس نے یہ اس لیے کیا تھا کہ وہ مجھے تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی"اس نے گہری سانس لیتے ہوئے فون میز پر رکھ دیا۔اس میں اس سے زیادہ پڑھنے کی ہمت نہیں تھی۔

"اس نے غلطی کی اور میں نے گناہ کر ڈالا"آج وہ جود اپنی نظروں میں گر گیا تھا۔کتنا غلط کیا تھا اس نے عائزہ کے ساتھ۔جب وہ 6 سال بعد واپس پاکستان گیا تو اس نے قصداً عائزہ کو ڈھونڈا تھا۔اس کا پتا تب بھی وہی تھا۔پھر اس نے پوری پلاننگ کے ساتھ اس کی اماں سے تعارف حاصل کیا اور ان کا دل جیتنے کی کوششوں میں جت گیا۔جلد ہی کامیاب بھی ہوا۔پھر کچھ عرصے بعد عائزہ کے لیے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔اس کی بات سن کر تو وہ خوشی سے نہال ہی ہو

گئیں اور سب بہت آسانی سے ہوتا چلا گیا۔ اسے حیرت تھی کہ عائزہ نے انکار کیوں نہیں کیا مگر یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جانتی ہی نہیں تھی کہ جس سے وہ جڑنے جارہی ہے وہ کون ہے۔ تب ہی اس رات وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ پھر اس نے کیا کیا؟

اس کی آنکھوں کے سامنے ایک کے بعد ایک منظر آ اور جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں موجود پستول اور عائزہ کا لٹھے کی مانند سفید چہرہ۔ ٹھنڈا وجود۔ بیڈ پہ پھیلا خون..... گہرا سرخ......!

وہ پسینہ پسینہ ہوتے وجود کے ساتھ بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھڑکیوں پر پڑے بھاری پردے ایک سمت کھسکا دیے اور ساری کھڑکیاں کھول دیں۔ پھر بھی اس کی کیفیت میں کوئی فرق نہ آیا تو دروازہ کھول کر لاؤنج میں نکل آیا۔ لمبی راہداری سے ہوتے ہوئے لان میں پہنچ کر سنگی بنچ پر گر سا گیا۔ اسے عائزہ کے ساتھ گزرا ایک ایک لمحہ یاد آنے لگا تھا۔ اسے دیکھ کر عائزہ کی آنکھوں میں جو چمک آتی تھی وہ چمک اکثر اسے حیران کر دیا کرتی تھی۔ وہ اکثر کہتی تھی کہ فائزا گر تم خود آ کر مجھ سے کہہ دو کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں تب بھی مجھے یہ یقین رہے گا کہ تمہارے دل میں صرف میں ہوں۔

آنسو کا قطرہ پھسل کر اس کے ہاتھ کی پشت پر گرا تھا۔ اور پھر ایک کے بعد دیگرے کئی آنسو لڑھکتے چلے آئے۔ وہ اونچا لمبا مرد زار و قطار رو رہا تھا۔ ہاں اب اسے رونا ہی تھا۔ اسے رونا ہی چاہیے تھا۔

******

New Era Magazine

ہمیشہ کی طرح آج بھی سورج بادلوں کے پیچھے کہیں غائب تھا۔رات بھر برف گرنے کی وجہ سے پوری سڑک مکمل طور سے برف سے ڈھکی ہوئی تھی مگر جیسے اس سرد موسم کی اسے کوئی پرواہ ہی نہ تھی۔بلیو جینز پر براؤن اوور کوٹ پہنے گردن کے گرد مفلر لپیٹے وہ پیدل ہی ائیر پورٹ کی سمت نکل پڑا تھا۔آدھے گھنٹے بعد اس کی پاکستان کی فلائٹ تھی۔پورے آٹھ گھنٹے اس بینچ پر ایک ہی زاویے سے بیٹھے رہنے کے بعد اس نے پاکستان جانے کا فیصلہ کیا تھا۔اپنے پرسنل سکریٹری کو اطلاع دے کر ساری میٹنگز کینسل کرنے کا کہہ کر وہ پاکستان جا رہا تھا۔پل پل کچوکے لگاتے ضمیر کے ساتھ زندہ رہنا بہت مشکل تھا اس لیے اس نے عائزہ کی اماں سے ملنے کا فیصلہ کیا تھا۔اسے ازالہ کرنا تھا مگر کچھ گناہوں کا ازالہ ممکن نہیں ہوتا۔ان کی صرف سزا ہوتی ہے۔

ائیر پورٹ سے نکل کر وہ سامنے نظر آتی ٹیکسی کی سمت بڑھا مگر معلوم ہوا کہ ٹیکسی خراب ہے۔اس نے اطراف میں کوئی دوسری ٹیکسی تلاش کرنا چاہی مگر ہر سمت پرائیویٹ گاڑیاں ہی نظر آئیں۔وہ کافی دیر کھڑا رہا مگر بے سود۔آخر تھک کر اس نے پیدل ہی چلنا شروع کر دیا۔ کچھ دور جا کر بلآخر اسے ایک ٹیکسی نظر آ ہی گئی۔ڈرائیور کو عائزہ کے گھر کا پتا سمجھا کر اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا لیا۔اپنے جرم کا اعتراف کرنا کسی کے لیے بھی آسان نہیں ہوتا۔اپنے گناہوں سے خود پردہ اٹھانے کی ہمت کسی انسان میں نہیں ہوتی۔اس کے لیے بھی یہ قطعی آسان نہ تھا۔وہ جانتا تھا کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔اس کی تمام زندگی بدل کر رہ جاتی

مگر...... حقیقت جاننے کے بعد وہ خود کو بخش نہیں سکا تھا۔اسے یہ کرنا ہی تھا۔معافی مانگنی ہی تھی جانتے ہوئے بھی کہ اس کا گناہ معاف کیے جانے لائق نہیں ہے۔

اس نے کھڑکی سے باہر بھاگتے دوڑتے مناظر پر نگاہ جمادی۔اتنے سالوں میں سوائے اس کی زندگی کے کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔اس کے مطلوبہ پتے پر پہنچ کر ڈرائیور نے ٹیکسی روک دی۔ ڈرائیور کو فارغ کرکے وہ اس کے گھر کی سمت بڑھا۔امید کے برعکس اسے دروازہ کھلا ملا۔اس نے کھلے دروازے پر دستک دی مگر گھر میں پھیلی خاموشی سے اسے لگا کہ گھر میں کوئی نہیں ہے۔اس نے حیرت سے کھلے دروازے اور خالی مکان کو دیکھا پھر اندر چلا آیا۔ گرد اور نیم کے پتوں سے اٹا صحن خالی پڑا تھا۔وہ کچھ اور آگے بڑھ کے کچن تک آ کھڑا ہوا۔کچن کا حال بھی صحن سے کچھ زیادہ الگ نہ تھا۔گندے برتن، جالے اور گرد صاف بتا رہے تھے کہ ہفتوں سے یہاں کی صفائی نہیں ہوئی ہے۔اسے عجیب سے احساس نے آ گھیرا۔پھر اس نے پریشانی کے عالم میں سارا گھر دیکھ ڈالا مگر وہاں کوئی ہوتا تو اسے ملتا نہ؟ باہر نکل کر اس نے آہستگی سے خستہ حال دروازہ بند کر دیا۔اپنے وسیع و عریض بنگلے میں پہنچ کر بھی اسے گھٹن کا احساس ستاتا رہا۔پریشانی اور شرمندگی تھی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔پھر وہ روز نئی امید کا سرا تھامے وہاں جاتا رہا مگر نہ وہاں کوئی تھا نہ اسے ملا۔اس دن بھی وہ بجھتی امید کی شمع لیے پلٹ رہا تھا کہ گلی کے نکڑ پر بنی گومتی والے چاچا نے اسے پکار لیا۔

"کیا بات ہے؟ کئی دن سے دیکھ رہا ہوں؟ کس کی تلاش میں اس خالی گھر کا چکر لگاتے رہتے ہو؟" اس کے لہجے میں ہمدردی جھلک رہی تھی۔

"یہاں ایک عورت رہتی تھی اپنی بیٹی کے ساتھ؟"اس کا پوچھنا تھا کہ آگاہی کے نئے در وا ہوتے گئے۔

"ارے بیٹا! بے چاری پر بڑا ظلم ہوا ہے۔بے چاری کی ایک ہی بیٹی تھی۔کچھ مہینے پہلے اس نے اپنی لڑکی کی شادی کسی بڑے امیر لڑکے سے کر دی۔بڑی خوش تھی مگر کیا کریں قسمت کا؟ لڑکا خراب نکلا۔شادی کی رات ہی لڑکی کو جان سے مار کر خود بھاگ گیا۔بیچاری غریب کہاں ڈھونڈتی اسے؟اس کو تو پتا بھی دو تین دن بعد چلا تھا۔جب یہ گئی تو لڑکی کو ایسی حالت میں دیکھ کر جو حالت ہوئی تو ابھی تک سنبھل نہ سکی۔روتی رہتی تھی دن بھر۔لڑکی کو پکارتی تھی۔ہر آنے جانے والے سے پوچھا کرتی تھی کہ عائزہ کہاں ہے؟خوش ہے؟میرا تو جی بھر آتا تھا صاحب!اس کی حالت دیکھ کر۔بڑی اچھی تھی بیچاری!ظالم دنیا نے سب کچھ چھین لیا اس سے۔رشتہ دار کوئی تھا نہیں۔ایک بیٹی تھی وہ بھی نہیں رہی۔کوئی ہفتہ بھر پہلے یہیں سڑک پر دیکھا تھا۔اس کے بعد سے اس کا کچھ پتا نہیں ہے۔اللہ بھلا کرے۔آمین" وہ بتاتا جارہا تھا اور فائز کے پیروں تلے سے زمین کھسکتی جارہی تھی۔

"ویسے آپ کون ہیں اس کے؟"اس کے سوال پر وہ اسی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر بغیر کوئی جواب دیے واپس پلٹ آیا۔اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار اندھیرا چھا رہا تھا۔آس پاس کی آوازیں،ٹریفک کا شور..اسے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا۔کانوں میں بس ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

"ہفتہ بھر سے پتا نہیں اس کا۔ ظالم دنیا نے بڑا برا کیا اس کے ساتھ۔ اپنی لڑکی کو پکارتی رہتی تھی۔ آنسو تو اس کے تھمتے ہی نہیں تھے" فائز کو لگا وہ مزید نہ چل سکے گا۔ تھک کر وہ فٹ پاتھ پر ہی بیٹھ گیا۔

"یہ میں نے کیا کیا؟ انتقام کی آگ میں جلتے ہوئے میں نے اس پر ایک بار بھی رحم نہیں کھایا؟ میں جس سے محبت کرتا تھا اس سے انتقام لینے کا میں نے سوچا بھی کیسے؟ جس میں میری جان بستی تھی میں اسی کی جان کیسے لے سکتا ہوں؟ محبت میں تو انتقام نہیں ہوتا۔ محبت میں اپنا آپ نہیں دیکھا جاتا۔ محبت تو دینے کا نام ہے۔ اس میں لینے کا خیال نہیں آتا۔ یہ کیسی محبت تھی؟ جب مجھے لگا عائزہ میرے ساتھ ہے میں نے اس کا ساتھ دیا۔ اس سے محبت کی اور جب مجھے لگا کہ اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے تو میں اس سے نفرت کرنے لگا؟ اس نے مجھ سے محبت کرنی چھوڑی تو میرے دل سے بھی اس کی محبت نکل کر ہوا میں تحلیل ہو گئی؟ میں نے بھی وہی کیا جو اس نے کیا؟ محبت کے دعوے دار ہم دونوں تھے مگر..... ہم دونوں ہی محبت نہ نبھا سکے اور اس میں بھی میرے حصے کا جرم زیادہ ہے۔ میری محبت کیسے ختم ہو سکتی ہے؟ محبت خود غرض کیسے ہو گئی؟ یا مجھ پہ شیطان اس قدر حاوی ہو گیا کہ میری محبت پر نفرت غالب آ گئی۔ میں بے ضمیر کیسے ہو سکتا ہوں؟ میں عائزہ کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟ میں اس کی ماں کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟" وہ فٹ پاتھ پر بیٹھا زار و قطار روئے جا رہا تھا۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اس کی سمت متوجہ ہو رہے تھے مگر اسے پرواہ نہ تھی۔ آج اسے اپنے جرم

کی سنگینی کا اندازہ ہوا تھا۔آج سے اس پر زندگی تنگ ہو چکی تھی۔اس پر ادراک کے در وا کر دیے گئے تھے اور سوائے پچھتاوے کے اس کے پاس کچھ بھی نہیں بچا تھا۔

****

وہ شل ہوتے اعصاب کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔لائٹس آن کرتے ہی اسے شدید جھٹکا لگا تھا۔بستر کی سفید چادر جا بجا سرخ ہو رہی تھی۔

"خون؟" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا۔چند قدم آگے بڑھ کر اس نے چادر پر نظر آتے خون پہ دو انگلیاں پھیر کر آنکھوں کے سامنے کیں۔مگر انگلیوں کے بجائے خون اس کے پورے ہاتھ پر لگا نظر آیا۔وحشت زدہ ہو کر وہ اٹیچڈ باتھ روم کی سمت بھاگا۔واش بیسن کا نل پورا کھول کر اس نے تیزی سے دونوں ہاتھ رگڑنے شروع کر دیے مگر یہ کیا......؟؟ وہ صاف ہونے کے بجائے بڑھتا ہی گیا۔ہلکا ہونے کے بجائے گہرا ہوتا گیا۔وہ پاگلوں کی طرح دونوں ہاتھ رگڑے جا رہا تھا مگر خون تھا کہ دھل کر نہیں دے رہا تھا۔اس نے سوپ اسٹینڈ سے صابن اٹھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔اسی وقت اس کی نظر اپنے عین سامنے لگے آئینے پر پڑی۔وہ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔اپنے خوبرو چہرے پر جا بجا خون کے دھبے دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہونے لگے۔اس نے جھپٹ کر صابن اٹھایا اور چہرے پر رگڑ ڈالا۔سفید صابن کا رنگ تیزی سے سرخی میں ڈھل گیا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کسی ہارر مووی میں چلا آیا ہو۔اس نے گھبرا کر صابن دور پھینک دیا اور دوبارہ واش بیسن کے قریب آ کر پانی ہاتھوں کے پیالے میں لے کر چہرے پر ڈالنے کے لیے ہاتھ نل کے نیچے کیے تو بے ساختہ نکلنے والی چیخ سے پورا باتھ روم گونج

اٹھا۔وہ ساکت سا نل سے تیزی سے نکلتے خون کے فوارے کو دیکھے گیا۔اور پھر اس نے باتھ روم کے سارے نل شاور سمیت کھول دیے۔سارا باتھ روم اس سمیت خون سے نہا گیا تھا۔ اس کی سفید شرٹ پوری طرح سرخ ہو چکی تھی۔خوف کی آخری حد پہ پہنچ کر وہ بھاگتے ہوئے باتھ روم اور پھر کمرے سے بھی نکلتا چلا گیا۔راہ داری سے نکل کر وہ جیسے ہی لاؤنج میں داخل ہوا سامنے موجود قد آدم آئینے پر نظر پڑتے ہی ساکت رہ گیا۔بے یقینی سے آئینے پر نظریں جمائے آہستہ قدموں سے چلتا وہ آئینے کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔خون کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔اس نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیے۔وہ بھی اپنی اصل رنگت میں واپس آ چکے تھے ہاں البتہ وہ سر سے پاؤں تک پانی سے بھیگا ہوا تھا۔بالآخر ہارر مووی ختم ہو چکی تھی۔وہ اپنی اصل دنیا میں واپس آ گیا تھا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ بعض دفعہ اصل زندگی ہارر موویز سے بھی زیادہ خوفناک ثابت ہوتی ہے۔کتنی ہی دیر وہ خاموشی سے آئینے میں نظر آتے عکس کو دیکھتا رہا پھر کچن سے نکلتے خانساماں کی سمت مڑا۔

"حامد ذرا باتھ روم کی صفائی کر کے میرے پاس آؤ"اس کی بات پر حامد سر ہلاتا اس کے کمرے کی سمت چل دیا جبکہ وہ وہیں گیلے کپڑوں سمیت صوفے پر ڈھیر ہو گیا۔عائزہ کے قتل کے بعد سارے ملازمین نوکری چھوڑ گئے تھے۔اس نے حال میں ہی حامد اور نیا چوکیدار رکھا تھا۔اس وسیع و عریض بنگلے میں اس کے علاوہ وہ دونوں ہی تھے۔حامد تو سر شام ہی بنگلے کی پچھلی سمت بنے کوارٹر میں چلا جاتا تھا اور طارق گیٹ کے قریب اپنے کیبن میں ہوتا تھا۔آج پہلی بار اسے تنہا رات گزارنے سے ڈر لگ رہا تھا۔

"میں نے صفائی کر دی ہے صاحب!" حامد کی آواز نے اسے سوچوں کے بھنور سے باہر نکالا۔

"سارے داغ دھل گئے ہیں نہ؟" اس نے کھوجتی نظروں سے حامد کو دیکھا۔

"وہاں تو کوئی داغ نہیں تھا صاحب! بس ہر سمت پانی تھا" اس کے چہرے پر الجھن بہت واضح نظر آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ تم" اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

"اور ہاں! آج کے بعد میرے بستر پر کبھی سفید چادر مت بچھانا" وہ ابھی چند قدم دور ہی گیا تھا کہ فائز دوبارہ بول پڑا۔

"جی اچھا" وہ اثبات میں سر ہلاتا باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی بے شمار سوچوں نے ایک بار پھر اسے گھیر لیا۔ دوبارہ کمرے میں جانے کی ہمت نہ ہوئی سو وہ وہیں صوفے پر ہی لیٹ گیا۔

"آخر ہوا کیا تھا؟ اگر وہاں خون نہیں تھا تو مجھے نظر کیوں آ رہا تھا؟ اور اگر وہاں خون تھا تو حامد کو کیوں نظر نہیں آیا؟ اور میرے نیچے آتے ہی وہ غائب کس طرح ہو گیا؟ کیا وہ میرا وہم تھا؟ کیا میری سوچیں اس قدر طاقتور تھیں کہ وہ مجھے مجسم دکھائی دینے لگیں؟" وہ گھبرا کر دوبارہ اٹھ بیٹھا۔

"کیا مجھے میرے گناہوں کی سزا ملنے لگی ہے؟" اس نے دوبارہ دونوں ہاتھ آنکھوں کے سامنے کیے۔

"آخر مجھے خون کیوں نظر آیا؟ کیا نظریں ایسے بھی دھوکا کھاتی ہیں؟" اس نے پریشانی سے سر دونوں ہاتھوں پر گرا لیا۔

"مجھے عائزہ کی اماں کو ڈھنڈ ناہی ہو گا۔شاید اس سے میری سزا میں کچھ کمی آجائے"اس نے صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا۔

"مگر آخر کہاں گئی ہوں گی وہ؟کسی رشتہ دار کے یہاں ؟یا کہیں اور ؟اگر وہ مجھے نہ ملیں تو؟میں کیا کروں گا؟"اس کی پریشانی لحہ بہ لحہ بڑھتی جارہی تھی۔

"نہیں یہ نہیں ہونا چاہیے۔میری دنیا تو برباد ہو ہی چکی ہے مگر آخرت برباد نہیں ہونی چاہیے۔میں......میں انہیں ڈھونڈوں گا"اس نے مسمم ارادہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔اب اسے اپنا اگلا لائحہ عمل ترتیب دینا تھا۔

****

(جاری ہے)

نوٹ

اگراور جیتے رہتے کے بعد اپنی رائے سے ضرور آگاہ کریں۔ نظرِثانی کرتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ کسی قسم کی غلطی نہ ہو اگر پھر بھی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کی نشاندہی ضرور کریں تاکہ ہم اس کو بہتر کر سکیں۔

تعاون کا طلبگار

ادارہ(نیوایرا میگزین)